اسلام اور ضبط ولادت

(۳)

ضبط ولادت کی تائید میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، ان میں سے اکثر وبیشتر ان حالات پر مبنی ہیں جو مغربی تہذیب وتمدن نے پیدا کیے ہیں۔ حامیان وضبط ولادت کا طریق فکر یہ ہے کہ تمدن ومعاشرت کے یہ اطوار، اور تہذیب کے یہ طریقے، اور معیشت کے یہ اصول تو ناقابل تغیر ہیں۔ البتہ ان سے جو مشکلات پیدا ہوتی ہیں، ان کو ضرور حل کرنا چاہیے، اور ان کا آسان حل یہی ہے کہ افزائش نسل کو روک دیا جائے لیکن ہم کہتے ہیں کہ تم تمدن و تہذیب کے اسلامی اصول اور معیشت ومعاشرت کے اسلامی قوانین اختیار کرکے ان مشکلات ہی کو پیش آنے سے روک دو جنھیں حل کرنے کے لیے تم کو قوانین فطرت کے خلاف جنگ کرنی پڑتی ہے۔

اس مسئلہ پر اشاعت گذشتہ میں کافی بحث کی جاچکی ہے۔ لہذا اب ہم صرف ان دلائل سے بحث کریں گے جو مخصوص حالات پر نہیں بلکہ عام انسانی حالات پر نظر کرکے حامیان ضبط ولادت نے اپنی کتابوں اور تقریروں میں بیان کیے ہیں۔

خدائی انتظامات میں مداخلت سب سے بڑی دلیل جس نے لوگوں کو بہت زیادہ دھوکے میں ڈالا ہے، یہ ہے کہ زمین میں قابل سکونت جگہ محدود ہے۔ انسان کے لیے وسائل معاش بھی محدود ہیں لیکن انسانی نسلوں میں افزائش کی قابلیت غیر محدود ہے۔ زمین میں ایک اچھے معیار زندگی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار ملین آدمی سما سکتے ہیں۔ اس وقت زمین کی آبادی دو ہزار ملین تک پہنچ چکی ہے، اور اگر حالات مناسب ہوں تو ۳۰ سال کے اندر یہ آبادی دوگنی ہوسکتی ہے۔ لہذا یہ اندیشہ بالکل

بجا ہے کہ ۵۰ سال کے اندر زمین آدمیوں سے بھر جائیگی، اور اس کے بعد نسلوں میں جو اضافہ ہوگا وہ اولاد آدم کے معیار زندگی کو گراتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کے لیے بھلے آدمیوں کی طرح زندگی گذارنا مشکل ہو جائے گا۔ پس انسانیت کو اس خطرہ سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ تحدید نسل Birth limitation کے طریقے اختیار کرکے نسلوں کی افزائش کو ایک حد مناسب کے اندر محدود کر دیا جائے۔

یہ دراصل خدا کے انتظام پر نکتہ چینی ہے۔ جس بات کو یہ لوگ خود حساب لگا کر اس قدر آسانی کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں، ان کا گمان ہے کہ خدا اس سے بے خبر ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ زمین میں کس قدر گنجائش ہے اور انسان کس حد تک اس میں سما سکتے ہیں۔ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ۔ ان نادانوں کو معلوم نہیں کہ اللہ نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ۔ اس کے خزانوں سے جو چیز بھی صادر ہوتی ہے ایک جچے تلے اندازے پر ہوتی ہے۔ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ۔ ان کا گمان خواہ کچھ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ جس ہستی نے اس عالم کو پیدا کیا ہے وہ تخلیق و آفرینش کے فن میں اناڑی نہیں ہے۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ۔ اگر یہ اس کے کاموں کو بصیرت کی آنکھوں سے دیکھتے اور اس کے انتظام پر غور کرتے تو ان پر خود ہی روشن ہو جاتا کہ وہ اپنے حساب اور اندازے میں ان سے زیادہ کامل ہے۔ اس نے اسی محدود رقبۂ زمین پر اپنی مخلوق کی بے شمار انواع پیدا کی ہیں جن میں سے ہر ایک کے اندر توالد و تناسل کی ایسی زبردست قوت ہے کہ اگر صرف ایک ہی نوع، بلکہ بعض انواع کے صرف ایک جوڑے کی نسل کو وہ پوری قوت کیساتھ بڑھنے دے تو ایک قلیل مدت میں تمام روئے زمین صرف اسی نسل سے پٹ جائے، اور کسی دوسری نسل کے لیے ذرہ برابر جگہ باقی نہ رہے۔ مثال کے طور پر نباتات کی ایک قسم ہے جس کو نباتات میں Sisymbrium Sophia

کہتے ہیں۔ اس نوع کے ہر فرد میں عموماً ساڑھے سات لاکھ بیج ہوتے ہیں۔ اگر اس کے صرف ایک پودے کے سب بیج زمین میں اُگ جائیں۔ اور تین سال تک اس کی نسل بڑھتی رہے تو زمین میں دوسری نسلوں کے لیے ایک چپہ بھی باقی نہ رہے۔ ایک قسم کی مچھلی (Star fish) ۲۰ کروڑ انڈے دیتی ہے۔ اگر اس کے صرف ایک فرد کو اپنی پوری نسل بڑھانے کا موقع مل جائے تو تیسری چوتھی پشت تک پہنچتے پہنچتے تمام دنیا کے سمندر اسی سے لبالب بھر جائیں اور ان میں پانی کے ایک قطرے کی بھی گنجائش نہ رہے۔ دور کیوں جائیے۔ خود انسان ہی کی قوت تناسل کو دیکھ لیجئے۔ ایک مرد کے جسم سے ایک وقت میں جو مادہ خارج ہوتا ہے۔ اس سے تمام دنیا کی بالغ عورتیں حاملہ ہو سکتی ہیں۔ اگر صرف ایک ہی مرد کی پوری استعداد تناسل کو قوت سے فعل میں آنے کا موقع مل جائے تو چند سال میں ساری زمین اس کی اولاد سے کھچا کھچ بھر جائے۔ مگر وہ کون ہے جو ہزاروں لاکھوں سال سے کرہ زمین پر ان بے شمار انواع کو اس زبردست قوت تناسل کے ساتھ پیدا کر رہا ہے اور کسی نوع کو اس کی مقرر و مقدر حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتا؟ کیا وہ تمہاری سائنٹفک تدبیریں ہیں، یا خدا کی حکمت؟ خود تمہارے اپنے سائنٹفک مشاہدات گواہ ہیں کہ مادۂ ذی حیات میں نشوونما کی قوت بے اندازہ ہے حتیٰ کہ ایک واحد الخلیہ جرم نامی (Unicellular Organism) میں نمو کی اتنی قوت ہوتی ہے کہ اگر اس کو پیہم غذا ملتی رہے اور تقسیم در تقسیم کا موقع مل جائے تو پانچ سال کے اندر وہ اتنا ذی حیات مادہ پیدا کر سکتا ہے جو زمین کی حجامت سے دس ہزار گنا زیادہ ہوگا۔ مگر وہ کون ہے جس نے قوت حیات کے اس خزانے پر کنٹرولر مقرر کر رکھے ہیں؟ وہ کون ہے جو اس خزانے میں سے قسم قسم کی مخلوقات نکال رہا ہے، اور ایسے ٹھیک حساب کے ساتھ نکال رہا ہے کہ اس میں نہ کبھی افراط ہوتی ہے نہ تفریط؟ —

اگر انسان اپنے خالق کی ان نشانیوں پر غور کرے تو وہ کبھی اس کے انتظام میں دخل

دینے کی جرأت نہ کرے۔ یہ سب جاہلانہ اوہام ہیں جو محض اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ لوگ آفاق اور خود اپنے انفس میں اپنے رب کی آیات کو نہیں دیکھتے۔ ان کو ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ انسانی سعی و عمل کی حد کہاں تک ہے اور کس حد پر پہنچ کر خالص خدائی انتظامات شروع ہوتے ہیں جن میں دخل دینا دور کنار سمجھنے پر بھی انسان قادر نہیں ہے۔ جب انسان اپنی حد جائز سے بڑھ کر خدا کے حدود انتظام میں دخل دینے کی کوشش کرتا ہے، تو خدا کے انتظامات میں تو وہ ذرہ برابر بھی خلل انداز نہیں ہوسکتا، البتہ خود اپنے لئے ناحق کاوشیں اور ذہنی الجھنیں ضرور پیدا کرلیتا ہے۔ وہ بیٹھ کر حساب لگاتا ہے کہ دس سال کے اندر ہندوستان کی آبادی ساڑھے تین کروڑ بڑھ گئی۔ آیندہ دس سال میں چار کروڑ اور بڑھ جائیگی۔ ۲۰ سال میں ۴۳ کروڑ ہوجائے گی۔ ۴۹ سال میں دگنی ہوجائے گی۔ پھر سوچتا ہے کہ اتنے آدمی آخر کہاں سمائیں گے؟ کیا کھائیں گے؟ کیونکر جئیں گے؟ اسی فکر میں وہ الجھتا ہے، مضامین لکھتا ہے، تقریریں کرتا ہے، کمیٹیاں بناتا ہے، کونسل میں عقلاء قوم کو اس مسئلے کا حل دریافت کرنے کے لیے توجہ دلاتا ہے۔ مگر وہ بندۂ خدا نہیں سوچتا کہ جس خدا نے ہزارہا سال سے انسانوں کی بستی اس بر اعظم میں بسا رکھی ہے وہ خود اس مسئلہ کو حل کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا، اور جب وہ انھیں ہلاک کرنا چاہے گا تو ہلاک بھی کردیگا! آبادی کی پیدائش، اور ان کے گھٹاؤ بڑھاؤ اور ان کے لیے زمین میں گنجائش نکالنے کا انتظام اسی سے تعلق رکھتا ہے۔

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (۱۱ : ۱)

زمین میں چلنے پھرنے والی کوئی ہستی ایسی نہیں جس کے رزق کا انتظام خدا کے ذمہ نہ ہو۔ اور وہی زمین میں ان کے ٹھکانے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک کتاب روشن میں لکھا ہوا موجود ہے۔

یہ انتظام ہماری عقل و نظر کی رسائی سے بہت دور کسی پوشیدہ مقام سے ہو رہا ہے۔ انقلاب

صدی کے خاتمہ سے انیسویں صدی کے وسط تک انگلستان کی آبادی میں جس تیز رفتاری کے ساتھ اضافہ ہوا اس کو دیکھ کر عقلائے فرنگ ابتدا میں حیران تھے کہ یہ بڑھتی ہوی آبادی کہاں سمائے گی اور کیا کھائے گی۔ مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ انگلستان کی آبادی جس رفتار سے بڑھی، اس سے بدرجہا تیز رفتاری سے اس کے وسائل رزق بڑھے اور انگریزی قوم کو پھیلنے کے لیے زمین کے بڑے بڑے رقبے ملتے چلے گئے۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی ہمارا مشاہدہ ہے کہ اضافہ آبادی کے ساتھ ساتھ وسائل رزق میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۱ء کے درمیان اضافہ آبادی کا اوسط ۱۰ فی صدی رہا لیکن زرعی پیداوار میں ۵ ا فی صدی اور صنعتی پیداوار میں ۱۵ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ گذشتہ ۳۰ سال کے اندر اس ملک کی آبادی تو صرف ۱۲ فی صدی زیادہ ہوی مگر اس کی زرعی پیداوار میں ۲۹ فی صدی کا اضافہ ہو گیا۔ ظاہر میں ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں موجودہ آبادی سے دوگنی زیادہ آبادی کے لیے وسائل رزق موجود ہیں۔ یہاں کی زمین کا ۶۰ فیصدی حصہ قابل زراعت ہے جس میں سے ابھی تک صرف ۳۵ فی صدی حصہ زیر کاشت آیا ہے۔ اس کے علاوہ قدرتی ثروت کے بہت سے خزانے یہاں موجود ہیں جن سے ابھی کام لینا باقی ہے صنعت اور تجارت کے میدان میں ابھی تک ہندوستان نے اتنا کام بھی نہیں کیا ہے جتنا دوسرے ممالک کر چکے ہیں۔ اور ترقی کے جو امکانات ابھی پوشیدہ ہیں ان کا تو ہم کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ ان سب باتوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود اگر کوئی شخص اس فکر میں غلطاں ہو کہ یہ روز افزوں آبادی کہاں رہے گی اور کیا کھائے گی، تو یہ اس کی اپنی حماقت ہے۔ اس کا کام صرف انسانی دائرۂ عمل میں رہ کر سوچنا اور عمل کرنا ہے۔ اس دائرہ سے نکل کر وہ خالص خدائی انتظامات کے دائرہ میں قدم رکھنے کی کوشش کرے گا تو اپنے لیے ایسی مشکلات پیدا کر لیگا جن کا درحقیقت کوئی حل اس کے پاس نہیں۔

موت کا بدل حامیان ضبط ولادت تسلیم کرتے ہیں کہ انواع کی تعداد کو ایک حد مناسب کے اندر محدود رکھنے کا انتظام خود فطرت نے کیا ہے، اور یہ انتظام نوع انسانی پر بھی حاوی ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ فطرت اس کام کو موت کے ذریعہ سے انجام دیتی ہے، جس میں انسان کے لیے سخت روحانی اور جسمانی اذیتیں ہیں۔ کیوں نہ ہم اس کے بجائے خود اپنی احتیاطی تدبیروں سے اپنی آبادیوں کو محدود رکھنے کا انتظام کرلیں؟ زندہ انسانوں کے لقمۂ اجل ہوتے، طرح طرح کی تکلیفوں سے جان دینے اور پسماندوں کے تڑپ تڑپ کر رہ جانے سے تو بدرجہا بہتر یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ انسان پیدا ہی نہ ہوں۔

یہاں پھر یہ لوگ خدائی انتظام میں مداخلت بیجا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ تمہاری احتیاطی تدبیروں سے کیا جنگ، وبائیں، امراض، سیلاب، زلزلے بند ہوجائیں گے؟ کیا تم نے خدا (یا بزعم خود "فطرت") سے کوئی ایسا معاہدہ کرلیا ہے کہ جب تم ضبط ولادت پر عمل شروع کروگے تو فرشتہ موت برطرف کردیا جائے گا؟ اگر ایسا نہیں ہے، اور یقیناً نہیں ہے، تو بتاؤ کہ ضبط ولادت اور فرشتۂ موت کی دوہری کارگذاری کا تختۂ مشق بن کر نوع انسانی کا کیا حشر ہوگا؟ ایک طرف تم خود اپنے ہاتھوں سے اپنی آبادیوں کو گھٹاؤ گے۔ دوسری طرف زلزلے ہزاروں آدمیوں کو بیک وقت نذر اجل کردیں گے، سیلابوں میں بستیوں کی بستیاں اجڑ جائیں گی، وبائیں آکر آبادیوں پر جھاڑو پھیر دیں گی۔ لڑائیوں میں تمہارے سائنٹیفک آلات لاکھوں بلکہ کروروں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اور موت کا فرشتہ فرداً فرداً بھی آدمیوں کی روحیں قبض کرتا رہے گا۔ کیا تم حساب لگا کر اتنا بھی نہیں معلوم کرسکتے کہ جس خزانے میں آمد گھٹتی چلی جائے اور خرچ بدستور رہے وہ کب تک بھرپور رہے گا؟

اس سوال کو بھی جانے دو۔ کیا تمہارے پاس اپنی آبادیوں کے لیے "حد مناسب" مقرر

کرنے کا کوئی معیار ہے؟ اور اگر بالفرض ہے، تو کیا تم اس معیار کے مطابق حسب ضرورت بچے پیدا کرنے اور صرف ضرورت سے زیادہ بچوں کی پیدائش روک دینے پر قادر ہو؟ جب عوام الناس میں خود غرضانہ ذہنیت پیدا ہو جائے، اور وہ اپنے شخصی حالات اور نفسانی رجحانات کی بنا پر بچوں کی ضرورت و عدم ضرورت کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں، اور ضبط ولادت کے عملی طریقے اور وسائل بھی آسانی کے ساتھ ان کو بہم پہنچ جائیں، تو کیا یہ ممکن ہے کہ ملکوں اور قوموں کی آبادی کو کسی مناسب حد تک ہی گھٹایا جائے۔ اور اس حد سے زیادہ نہ گھٹنے دیا جائے؟ قیاس کی ضرورت نہیں۔ تجربہ شہادت دے رہا ہے کہ دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک بھی ایسی کوئی "حد مناسب" مقرر کرنے اور افراد کے عمل کو اس حد کے اندر محدود رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ پھر وہ کیا سامان ہے جس کو لے کر تم اُس خدائی تدبیر میں دخل دینے چلے ہو جس کے تحت وہ انسانی بستیوں کے لیے "حد مناسب" مقرر کرتا اور ایک اندازے کے ساتھ ان کو گھٹاتا بڑھاتا ہے؟

معاشی حیلہ کہا جاتا ہے کہ محدود آمدنی رکھنے والے ماں باپ بچوں کی زیادہ تعداد کے لیے اچھی تعلیم و تربیت، عمدہ معاشرت، اور ایک بہتر آغاز (Fair start) کے وسائل بہم پہنچانے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ جب بچوں کی تعداد والدین کی استطاعت سے بڑھ جاتی ہے یا مفلس والدین کے ہاں اولاد پیدا ہو جاتی ہے تو ان کا معیار حیات گر جاتا ہے تعلیم خراب، تربیت ناقص، غذا، مکان، لباس، ہر چیز بدتر، اور آئندہ ترقی کے راستے مسدود۔ ایسے حالات میں بیکار آبادی بڑھانے سے بہتر ہے کہ ضبط ولادت کے ذریعہ سے بچوں کی تعداد کو اسی حد تک محدود رکھا جائے جس حد تک والدین کے وسائل ساتھ دے سکیں، اور ناموافق حالات میں افزائش نسل کا سلسلہ موقوف رہے۔ اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔

یہ دلیل آج کل لوگوں کو بہت اپیل کر رہی ہے، اور بظاہر بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہے

لیکن درحقیقت یہ بھی اتنی ہی کمزور ہے جتنی پہلی دونوں ہیں۔ اول تو "اچھی تعلیم و تربیت"، "عمدہ معاشرت" اور "بہتر آغاز" ہی مبہم الفاظ ہیں جن کا کوئی واضح اور متعین مفہوم نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے ذہن میں ان کا الگ مفہوم رکھتا ہے، اور ان کے لیے ایسے معیار مقرر کرتا ہے جو اس کے اپنے حالات اور وسائل و ذرائع کی صحیح تشخیص پر نہیں بلکہ اپنے سے بہتر لوگوں کے معیار پر پہنچنے کی حریصانہ خواہش پر مبنی ہوا کرتے ہیں۔ ایسے غلط معیار پر جو شخص اپنی اولاد کے لیے "اچھی تعلیم و تربیت" اور "عمدہ معاشرت" اور "بہتر آغاز" کا خواہش مند ہوگا، وہ یقیناً یہی فیصلہ کرے گا کہ اس کے ہاں ایک دو بچوں سے زیادہ نہ ہوں، بلکہ بعض حالات میں تو وہ سرے سے بے اولاد ہی رہنا پسند کرے گا، کیونکہ لوگوں کی خواہشات کا دائرہ عموماً ان کے وسائل کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہوتا ہے، اور جن امور کو وہ خواہشات کے حصول کے لیے موقوف رکھتے ہیں وہ سرے سے ظہور ہی میں نہیں آتے۔ یہ محض نظریہ ہی نظریہ نہیں ہے، بلکہ ایک واقعی حقیقت ہے۔ یورپ میں اس وقت لاکھوں جوڑے ایسے موجود ہیں، جو محض اس لیے بے اولاد رہنا پسند کرتے ہیں کہ ان کے پیش نظر اولاد کی تعلیم و تربیت اور عمدہ معاشرت، اور بہتر آغاز کا معیار اتنا بلند ہے کہ وہ بالفعل اس تک پہنچنے کی قدرت ہی نہیں رکھتے۔

علاوہ بریں یہ دلیل اصولی حیثیت سے بھی غلط ہے۔ قوموں کی ترقی کے لیے یہ بات مفید نہیں بلکہ سخت مضرت رساں ہے کہ ان کی نسلیں تمام تر راحت اور آسائش کے ماحول میں پرورش پائیں اور ان کو مصائب، مشکلات، ناداری، اور جد و جہد سے دوچار ہی نہ ہونا پڑے۔ یہ چیز تو اُس سب سے بڑی درسگاہ کو بند کردے گی جس میں انسان کی تعلیم و تربیت تمہارے مدرسوں اور کالجوں سے زیادہ بہتر طریقہ پر ہوتی ہے وہ درس گاہ زمانے کی درس گاہ ہے جس کو خود اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے تاکہ انسان کے صبر، استقامت، ہمت اور حوصلوں کی آزمائش کرے، اور انہیں کو پاس کرے جو اس آزمائش میں پورے اتریں وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۲:۱۹

وہ ایک بھٹی ہے جو ناقص کو خالص سے متمیز کرتی ہے اور تپا تپا کر کھوٹ کو نکال دیتی ہے وہاں مصائب اسلیے ڈالے جاتے ہیں کہ ان کے مقابلے کی قوت پیدا ہو مشکلات اسلیے پیدا کی جاتی ہیں کہ انسان ان پر غالب آنے کی جد وجہد کرے سختیاں اس لیے عائد کی جاتی ہیں کہ اس کی کمزوریاں دور ہوں اور اس کی چھپی ہوی قوتیں عمل کے میدان میں نمایاں ہوں۔ جو لوگ اس درس گاہ سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں وہی دنیا میں کچھ کر کے دکھاتے ہیں اور دنیا میں آج تک جتنے بڑے بڑے کام کیے ہیں وہ اسی درسگاہ کے سند یافتوں نے کیے ہیں۔ تم اس درسگاہ کو بند کر کے دنیا کو راحت کدے میں تبدیل کرنا چاہتے ہو تاکہ تمہاری نسلیں عیش پسند، پست حوصلہ، کام چور، اور بزدل بن کر اٹھیں تم چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد آسائش کے گہوارے میں آنکھ کھولے۔ اونچے مدرسوں اور شاندار اقامت خانوں میں رہ کر تعلیم حاصل کرے اور جوان ہو کر زندگی کے میدان میں قدم رکھے تو اس طرح کہ اس کے پاس ایک "بہتر آغاز" کے لیے کافی سرمایہ موجود ہو۔ تم امید رکھتے ہو کہ اس صورت سے وہ دنیا میں کامیاب ہوں گے اور ترقی کے آسمانوں میں چمکینگے۔ مگر تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسی تعلیم و تربیت کے ساتھ تم صرف تیسرے درجہ کے ناطق حیوانات پیدا کر سکتے ہو یا زیادہ سے زیادہ دوسرے درجہ کے۔ درجہ اول کے انسان تمہاری نسلوں میں کبھی نہ اٹھیں گے یقین نہ آئے تو دنیا کی تاریخ اور اکابر رجال کے سوانح اٹھا کر دیکھ لو۔ تم کو درجہ اول کے جتنے آدمی ملیں گے ان میں سے کم از کم ۹۰ فی صدی ایسے ہوں گے جو مفلس و نادار ماں باپ کے ہاں پیدا ہوے مصیبت کی آغوش میں پرورش پا کر اٹھے تمناؤں کے خون اور خواہشات کی قربانی کے ساتھ جوانی بسر کی۔ زندگی کے سمندر میں بغیر کسی ساز و سامان کے پھینک دیے گئے۔ موجوں سے تیرنا سیکھا، تھپیڑوں سے بڑھنے کا سبق حاصل کیا۔ اور آخر کار ساحل کامرانی پر اپنی برتری کا جھنڈا نصب کر ہی کے چھوڑا۔

چند اور دلیلیں | یہ تین بڑی دلیلیں تھیں۔ ان کے بعد تین چھوٹی دلیلیں اور بھی ہیں جن کو ہم اختصار کے ساتھ بیان کریں گے اختصار ہی کے ساتھ جواب بھی دیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ ضبط ولادت کے ذریعہ سے اچھی قسم کی نسلیں پیدا کی جا سکتی ہیں جن کی تندرستی اچھی ہو، قوی مضبوط ہوں، اور جن میں کام کرنے کی عمدہ صلاحیتیں ہوں۔ اس خیال کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ انسان کے ہاں جب کبھی ایک دو بچے ہوں گے، قوی و تندرست، ذہین اور طباع ہوں گے اور جب زیادہ بچے ہوں گے تو سب کے سب کمزور، بیمار، بے کار اور کند ذہن ہوں گے لیکن اس مفروضہ کی تائید میں نہ کوئی علمی دلیل ہے، اور نہ باضابطہ مشاہدات و تجربات کے نتائج۔ محض ایک گمان ہی گمان ہے جس کے خلاف ہزاروں شہادتیں عالم واقعہ میں موجود ہیں۔ درحقیقت انسان کی پیدائش کے متعلق کوئی ضابطہ بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ چیز کلیتہً خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور خدا جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ (۳:۱) قوی اور تندرست اور ذہین اولاد پیدا کرنا، اور کمزور، مریض اور بلید الذہن اولاد نہ ہونے دینا انسان کے اختیار سے باہر ہے۔

اسی سے قریب المأخذ یہ دلیل ہے کہ ضبط ولادت انسان کو ایسے بچوں کی بے کار پیدائش اور پرورش کی مشقت سے بچا دیتا ہے جن کی دنیا کو ضرورت نہیں ہے۔ جو کبھی کار آمد بننے والے نہیں ہیں یا بلوغ سے پہلے مرجانے والے ہیں۔ یہ خیال اس وقت صحیح ہوتا جب انسان کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ ہوتا کہ کونسا بچہ کن خصوصیات کا حامل ہوگا؟ لائق ہوگا یا نالائق؟ زندہ رہیگا یا مرجائے گا؟ اس کا وجود کار آمد ہوگا یا بیکار؟ جب یہ چیز انسانی نظر سے قطعاً پوشیدہ ہے تو محض رجماً بالغیب کوئی رائے قائم کرنا صریح حماقت ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زیادہ بچوں کی پیدائش سے عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور اس کے حسن و جمال میں بھی فرق آجاتا ہے۔ لیکن اشاعت گذشتہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ضبط ولادت کے مصنوعی طریقے بھی صحت اور جمال کے لیے بےضرر نہیں ہیں۔ ان سے بھی صحت کو اتنا ہی نقصان پہنچتا ہے جتنا کثرت اولاد سے پیدا ہو سکتا ہے طبی حیثیت سے کوئی ایسا قاعدۂ عام مقرر نہیں کیا جا سکتا،

کہ عورت کتنے بچوں کی ولادت کا بار اٹھا سکتی ہے۔ یہ بات ہر عورت کے شخصی حالات پر منحصر ہے اگر ایک طبیب کسی عورت کے خاص حالات کو پیش نظر رکھ کر یہ رائے قائم کرے کہ حمل اور وضع حمل کی تکلیف اس کی زندگی کے لیے خطرناک ہوگی تو ایسی حالت میں بلاشبہ طبیب کے مشورے سے ضبط ولادت کا کوئی مناسب طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے، بلکہ اگر ماں کی جان بچانے کے لیے ضروری ہو تو اسقاط حمل کرانا بھی ناجائز نہیں ہے لیکن صحت کو محض ایک بہانہ بنا کر ضبط ولادت کو ایک عام طرز عمل بنا لینا اور رسماً اس پر عمل کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

اصول اسلام سے کلی منافات حامیان ضبط ولادت کے مذکورہ بالا دلائل پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تحریک دراصل دہریت و الحاد کے شجر خبیث کی پیداوار ہے جن لوگوں کے دماغوں سے خدا کا تصور نکل چکا ہے، اور جو دنیا کے معاملات میں اس نقطۂ نظر سے غور و فکر اور تدبیر و تصرف کرتے ہیں کہ خدا سرے سے موجود نہیں ہے۔ یا اگر ہے تو محض ایک معطل ہستی ہے، اور انسان آپ ہی اپنی قسمت کا بنانے والا اور اپنے تمام معاملات کی تدبیر کرنے والا ہے، وہی اس تحریک کو وجود میں لائے ہیں، اور انہی کے دماغوں کو اس تحریک کے دلائل اپیل کرتے ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد یہ امر کسی تشریح کا محتاج نہیں رہتا کہ یہ تحریک اصلاً اسلام کے خلاف ہے! اس کے اصول کلیتہً اصول اسلام کی ضد ہیں، اور اسلام کا عین مقصد ہی اُس ذہنیت کو مٹانا ہے جس سے ضبط ولادت جیسی تحریکات وجود میں آتی ہیں۔

احادیث نبوی مسلمانوں میں جو حضرات ضبط ولادت کے مؤید ہیں ان کو اپنی تائید میں قرآن سے ایک لفظ بھی نہیں مل سکتا اس لیے وہ حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بعض ایسی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں اس فعل کی اجازت پائی جاتی ہے لیکن حدیث سے استدلال کرنے میں چند امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جن کو نظر انداز کر کے کسی فقہی مسئلہ کا استنباط نہیں کیا جا سکتا۔

اولاً، مسئلہ متعلقہ کے باب میں تمام احادیث کا استقصاء کیا جائے۔

ثانیاً۔ ارشاد نبوی کے موقع و محل کو پیش نظر رکھا جائے۔

ثالثاً، اس وقت عرب کے جو حالات تھے ان کو ملحوظ رکھا جائے۔

لہٰذا ہم ان تینوں امور کو ملحوظ رکھ کر ان احادیث پر نظر ڈالیں گے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ عرب جاہلیت میں برتھ کنٹرول کے لیے قتل اولاد کا طریقہ رائج تھا جس کے دو وجوہ تھے۔ ایک معاشی حالات کی خرابی جن کی وجہ سے ماں باپ اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے تاکہ ان کے رزق میں کوئی شریک نہ پیدا ہو۔ دوسرے غیرت کا حد سے بڑھا ہوا جذبہ، جو لڑکیوں کے قتل کا محرک ہوتا تھا۔ اسلام نے آکر اس کو سختی کے ساتھ منع کیا، اور اس باب میں عربوں کی ذہنیت ہی بدل دی۔ اس کے بعد مسلمانوں کا رجحان عزل Coitus Interruptus (یعنی مباشرت بلا انزال فی الفرج) کی طرف راغب ہوا لیکن یہ رجحان عام نہ تھا۔ نہ برتھ کنٹرول کی کوئی تحریک جاری ہوئی تھی۔ نہ اس کو قومی پالیسی بنانا مقصود تھا۔ نہ اس کے محرک وہ عہد جاہلیت کے جذبات اور خیالات تھے جن کی وجہ سے قتل اولاد کے ظالمانہ طریقہ پر عمل کیا جاتا تھا بلکہ در اصل اس کے تین وجوہ تھے جو احادیث کے تتبع سے ہم کو معلوم ہوتے ہیں۔

ایک یہ خیال کہ لونڈی سے اولاد نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ لونڈی کے ام ولد ہو جانے سے یہ خوف تھا کہ وہ فروخت نہ کی جا سکے گی۔

تیسرے یہ کہ زمانہ رضاعت میں حمل ٹھیر جانے سے شیر خوار بچہ کو نقصان پہنچنے کا خوف تھا۔

ان وجوہ سے مخصوص حالات میں بعض صحابہ نے عزل کی ضرورت محسوس کی اور یہ دیکھ کر کہ اس فعل کے عدم جواز کا کوئی صریح حکم کتاب و سنت میں نہیں آیا ہے، اس پر عمل کیا، مثلاً ابن عباس، سعد بن ابی وقاص اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم۔ انہی میں سے ایک حضرت جابر بھی ہیں۔ جنہوں نے شارع کے سکوت کو رضا پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ ان سے جو احادیث مروی ہیں ان کے

الفاظ یہ ہیں۔

کنا نعزل علی عهد رسول اللہ صلعم	ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عزل کرتے تھے
کنا نعزل والقران ینزل۔	ہم عزل کرتے تھے اس حال میں کہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔
کنا نعزل علی عهد رسول اللہ صلعم والقران ینزل۔	ہم عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عزل کرتے تھے جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت جابر اور ان کے ہم خیال صحابہ نے عزل کے باب میں کوئی صریح حکم نہ ہونے سے فائدہ اٹھایا۔ ایک اور حدیث جو انہی صحابی سے امام مسلم نے نقل کی ہے، یہ ہے کہ ہم عہد رسالت میں عزل کرتے تھے۔ اس کی خبر حضور کو پہنچی اور آپ نے ہم کو منع نہ فرمایا۔" اس حدیث میں ابہام ہے۔ صاف معلوم نہیں ہوتا کہ عزل کے متعلق کس صورت سے استفتا کیا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کیا فرمایا۔ اس کی تفصیل دوسری احادیث میں بیان ہوی ہے

ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ ہمارے ہاتھ لونڈیاں آئیں اور ہم نے عزل کیا، پھر اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: کیا تم ایسا کرتے ہو؟ کیا تم ایسا کرتے ہو؟ کیا تم ایسا کرتے ہو؟ قیامت تک جو بچے پیدا ہونے ہیں وہ تو ہو کر ہی رہیں گے"۔ (بخاری)۔

امام مالک نے موطا میں انہی ابوسعید سے یہ روایت نقل کی ہے کہ غزوہ بنی المصطلق میں ہمارے ہاتھ لونڈیاں آئیں۔ اہل و عیال سے دوری ہم پر شاق گزر رہی تھی ہم نے چاہا کہ ان عورتوں سے استمتاع کریں۔ مگر اس کے ساتھ ہماری خواہش یہ بھی تھی کہ ان کو فروخت کر دیں۔ اس لیے ہم نے خیال کیا کہ ان سے عزل کرنا چاہیے تاکہ اولاد پیدا نہ ہو۔ ہم نے حضور سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ما علیکم ان لا تفعلوا۔ ما من نسمة کائنة الا وھی کائنة۔ اگر تم ایسا نہ کرو تو کوئی حرج نہیں۔ قیامت تک جو بچے پیدا ہونے والے ہیں وہ تو ہو کر ہی رہیں گے۔"

مسلم کی حدیث ہے کہ جب عزل کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ لا علیکم ان لا تفعلوا ذالکم۔ "اگر تم ایسا نہ کرو تو کوئی حرج نہیں" ایک دوسری حدیث میں ہے۔ ولم یفعل ذالك احدکم "تم میں سے کوئی یہ فعل کیوں کرے؟" ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ میرے پاس ایک لونڈی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اس سے اولاد ہو۔ اس پر حضور نے فرمایا اعزل عنها ان شئت فانه سیأتیها ما قدر لها۔ "تو چاہے تو عزل کرے۔ مگر جو اولاد اس کی تقدیر میں لکھی ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گی۔"

ان کے علاوہ حضرت ابو سعید سے ترمذی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ صحابہ میں سے جو اہل علم تھے وہ عموماً عزل کو مکروہ سمجھتے تھے۔ موطا میں امام مالک نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمر بھی ان لوگوں میں سے تھے جو عزل کو ناپسند کرتے تھے۔

ان سب روایات کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کی اجازت نہ دی تھی۔ بلکہ آپ اس کو ایک عبث اور ناپسندیدہ فعل سمجھتے تھے، اور آپ کے جن اصحاب کو تفقہ فی الدین کا مرتبہ حاصل تھا، وہ بھی اس کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے لیکن چونکہ عزل کی کوئی عام تحریک قوم میں جاری نہیں ہوئی تھی، اور اس کو ایک عام قومی طرز عمل نہیں بنایا جا رہا تھا، اور محض چند افراد اپنی مجبوریوں اور ضرورتوں کی بنا پر اس فعل کا ارتکاب کرتے تھے، اس لیے آپ نے اس کو صاف طور پر ناجائز نہ ٹھیرایا۔ اگر اس وقت برتھ کنٹرول کی کوئی عام تحریک شروع ہوتی تو یقیناً حضور نہایت سختی کے ساتھ اس کو روکتے۔

عزل پر ضبط ولادت کے دوسرے طریقوں کو بھی قیاس کرکے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان طریقوں کو شارع نے صرف اس وجہ سے حرام نہیں کیا کہ بعض حالات میں انسان فی الواقع ان کو اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور احتیاط کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اس کو ایسا کرنے کی اجازت دیدی جائے۔ مثلاً

عمل ٹھیرنے سے عورت کی جان کا خطرے میں پڑ جانا، یا اس کی صحت کو غیر معمولی نقصان پہنچنے کا خوف، یا زمانۂ رضاعت میں شیر خوار بچے کو مضرت پہنچنے کا اندیشہ، یا اور ایسے ہی دوسرے وجوہ ان حالات میں اگر آدمی طبی مشورے سے ضبط ولادت کا کوئی طریقہ اختیار کرے تو یہ جائز ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں لیکن بلا ضرورت اس کو ایک عام طرز عمل بنانا احکام اسلام کے قطعاً خلاف ہے، اور وہ تمام خیالات جن کی بنا پر ایسا طرز عمل اختیار کرنے کی طرف رجحان پیدا ہوتا ہے، اصول اسلام کے بالکل منافی ہیں۔

مرأۃ المثنوی

مرتبہ

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے رکن دار الترجمہ

مثنوی مولانا روم کا بہترین ایڈیشن جس میں مثنوی شریف کے منتشر مضامین کو ایک سلسلہ کے ساتھ اس طور پر مرتب کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا مولانا کے مدعا اور ان کی تعلیم کو بڑی آسانی سے سمجھتا چلا جاتا ہے کئی انڈکس اور فہرستیں بھی ہیں جن کی مدد سے آپ حسب منشاء جو شعر چاہیں نکال سکتے ہیں۔ ایک بسیط فرہنگ بھی ملحق ہے۔ غرض یہ کہ اس کتاب نے مثنوی شریف سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایسی سہولت مہیا کر دی ہے کہ ایک شخص بڑی آسانی سے کتاب کے مطالعہ پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔

کاغذ کتابت طباعت بہترین جلد نہایت اعلیٰ قیمت عـــہ انگریزی لـــہ سکۂ عثمانیہ

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجئے